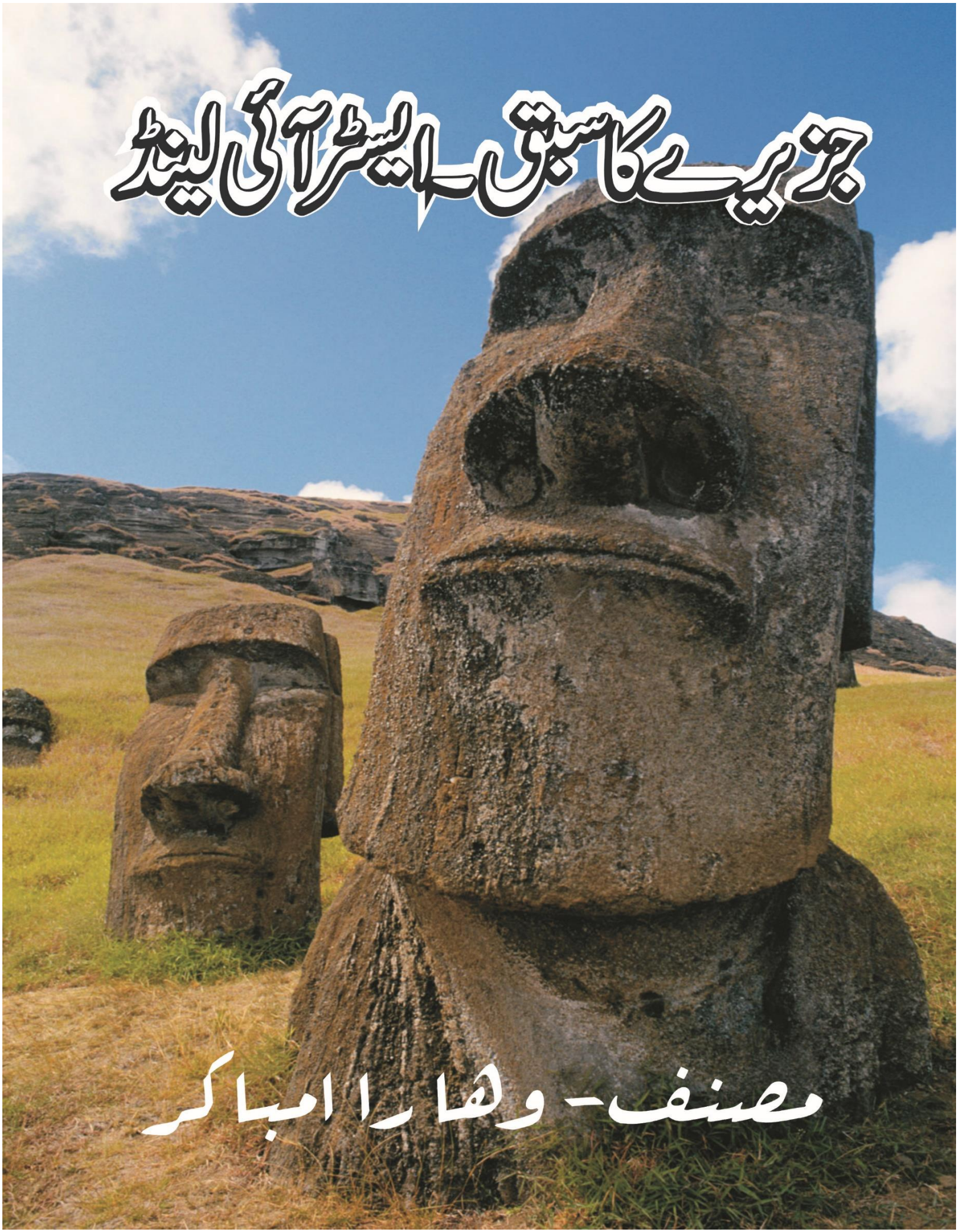
جزیرے کا سبق۔ ایسٹر آئی لینڈ
مصنف- وھارا امباکر

فہرست

دُور کی دنیا ۔ ایسٹر آئی لینڈ 1

جزیرہ ۔ 4

موائی 6

تعمیر 9

جزیرے کا ماضی 11

خوشحالی سے آدم خوری تک ۔ تہذیب کا خاتمہ 13

جزیرے کا سبق ۔ ایسٹر آئی لینڈ 17

دُور کی دنیا ۔ ایسٹر آئی لینڈ

رانو راراکو... جیسا تاثر یہ جگہ چھوڑتی ہے، اس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ ایسٹر آئی لینڈ کی وہ کان جہاں پتھر کے عظیم مجسمے تراشے جاتے تھے۔ ایسٹر آئی لینڈ دنیا کی تنہا ترین جگہ ہے۔ قریب ترین جزیرہ دو ہزار کلومیٹر دور جبکہ نزدیکی زمین ساڑھے چار ہزار کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ چلی سے یہاں پر پرواز پانچ گھنٹے سے زیادہ لیتی ہے اور اس دوران سوائے سمندر کے، نیچے کچھ بھی اور نہیں دکھائی دیتا۔ بغیر بڑے بادبانی جہازوں کے لوگ یہاں پہنچے اور اسے آباد کیا۔ قدیم دنیا میں پولینیشین سمندری مہم جووں کا کوئی ثانی نہیں رہا۔

رانو راراکو چھ سو میٹر قطر کا ایک آتش فشانی گڑھا ہے۔ اس تک پہنچنے کے لئے بلندی پر چڑھنا پڑتا ہے اور پھر ایک ڈھلوان جو ہمیں گڑھے میں لے کر جاتی ہے۔ اس کے آس پاس آج کوئی نہیں رہتا۔ اس کی اندرونی اور بیرونی دیواروں کے پاس 397 مجسمے پڑے ہیں جو انسانی جسم کی شکل میں ہیں۔ زیادہ تر پندرہ سے بیس فٹ اونچے جبکہ ان میں سے سب سے بڑا ستر فٹ اونچا ہے (جو کسی پانچ منزلہ عمارت کی بلندی سے زائد ہے)۔ 10 ٹن سے لے کر 270 ٹن وزنی۔ یہاں پر شناخت کی جا سکتی ہے کہ ان کو باہر کونسی جگہ سے لے کر جایا جاتا تھا۔ پرانے راستے کے آثار باقی ہیں، جہاں اونچائی کم ہے اور اس سے تین راہیں مزید نکلتی ہیں۔ شمال، جنوب اور مغرب کی طرف جانے والی پچیس فٹ چوڑے راستے، جو یہاں سے نو میل دور سمندر کنارے تک پہنچتے ہیں۔ ان راستوں پر 97 مزید مجسمے پڑے ہیں جیسے کوئی ان کو لے جاتے وقت یہاں پر آدھے

راستے پر چھوڑ گیا ہو۔ سمندر کے ساتھ اور جزیرے پر پتھر کے 300 پلیٹ فارم ہیں۔ ان میں سے ایک تہائی پر 393 مجسمے ہیں۔ کچھ دہائیوں پہلے تک زیادہ تر اوندھے منہ گرے پڑے تھے۔ جیسے کسی نے جان بوجھ کر ان کو توڑنے کی کوشش کی ہو۔

یہاں سے قریب سب سے بڑا پلیٹ فارم آہو ٹونگاریکی ہے جس پر سے گرائے جانے والے پندرہ مجسموں کو ایک کرین کے ذریعے 1994 میں واپس کھڑا کیا گیا تھا۔ 55 ٹن وزن اٹھانے والی اس جدید مشینری کے لئے بھی یہ آسان کام نہیں رہا۔ کیونکہ اس میں سے سب سے بھاری مجسمہ 88 ٹن کا تھا۔ ایسٹر آئی لینڈ کی قدیم پولینیشن آبادی کے پاس کوئی کرین نہیں تھی، پہیے نہیں تھے، مشینری نہیں تھی، باربرداری والے کوئی بھی جانور نہیں تھے، دھات کے اوزار نہیں تھے۔ان کو بنانے کا، ان کو لے جانا کا اور ان کو جگہ پر کھڑا کرنے کا تمام کام انسانی زورِ بازو نے کیا تھا۔

اس کان میں پائے جانے والے مجسمے مختلف سٹیج پر تھے۔ کوئی ابھی تراشے جانا شروع ہوئے تھے۔ کسی کے ہاتھ اور کان بنانا باقی تھی۔ کچھ بنائے جا چکے تھے اور لے جائے جانے کے منتظر تھے۔ یہاں پر آ کر ایسا تاثر ملتا ہے جیسے کسی فیکٹری میں تمام کام کرنے والے اچانک کام چھوڑ گئے ہوں، اپنے اوزار پھینک کر کام ترک کر دیا ہو۔ جو جہاں پڑا ہے، ویسا ہی چھوڑ گئے۔ یہاں پر پتھر سے بنے ہتھوڑے، کلہاڑے، ڈرل اور تراشنے کے اوزار بھی بکھرے پڑے ہیں۔ جہاں پر یہ ہنرمند کام کرتے تھے، وہاں پر نکلے پتھروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید یہاں پر پانی کے مشکیزے لٹکائے جاتے ہوں۔ کچھ مجسموں میں ایسے آثار نظر آتے ہیں جیسا کہ ان کو جان بوجھ کر نقصان پہنچایا گیا ہو۔ جیسے حریف گروپ ایک دوسرے کام میں رکاوٹ ڈالنا چاہتے ہوں۔ ایک مجسمے کے نیچے انسانی انگلی کی ہڈی ملی۔ شاید اس کو ٹرانسپورٹ کرنے والے عملے کی لاپرواہی کا نتیجہ ہو۔ کس نے یہ مجسمے بنائے؟ اتنی محنت کی؟ ان کو کیسے ٹرانسپورٹ کیا گیا؟ اتنے بڑے مجسموں کو جگہ پر رکھا گیا؟ اور پھر ان کو گرا کیوں دیا گیا؟

ڈچ مہم جو جیکب روگیوین تین بڑے بحری جہاز لے کر نکلے۔ سترہ روز کے سفر کے بعد 5 اپریل 1722 کو انہیں یہ جزیرہ نظر آیا۔ روگیوین اور ساتھیوں کے لئے یہ اچنبھے کی بات تھی کہ یہاں کے باسیوں کے پاس صرف دس فٹ لمبی کشتیاں تھیں جن میں ایک سے دو افراد بیٹھتے تھے۔ یہ اچھے معیار کی نہیں تھیں۔ ان میں لمبا سفر نہیں کیا جا سکتا تھا۔ آسانی سے الٹ سکتی تھیں۔ یہ لوگ، اپنی فصلیں اور مرغیاں، اور اپنے ساتھ پینے کا پانی رکھ کر ڈھائی ہفتے کا سفر کر کے یہاں کیسے پہنچے ہوں گے؟ اور یہ مجسمے؟ روگیون نے

لکھا "یہ پتھر کے مجسمے دیکھ کر ہم ہکا بکا رہ گئے۔ یہ لوگ جن کے پاس مضبوط رسیاں نہیں، مشینری نہیں، تیس فٹ اونچے مجسمے کیسے بنا سکتے ہیں؟" مضبوط رسیاں بنانے کے لئے بڑے تناور درخت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسٹر آئی لینڈ میں دس فٹ سے کوئی ایک درخت یا جھاڑی بھی نہیں تھی۔ "یہ دور سے دیکھنے میں ہمیں ایک بنجر جزیرہ نظر آیا تھا"۔ وہ اونچے تناور درخت کہاں گئے تھے جو کبھی یہاں پر ہوا کرتے تھے؟

مجسمہ سازی، ٹرانسپورٹ، اور ان کو جگہ پر لے جا کر کھڑا کرنے کے لئے پیچیدہ معاشرے اور گنجان آبادی کی ضرورت جو اس سب محنت کو سپورٹ کر سکے۔ جب اٹھارہوں اور انیسویں صدی میں یورپی یہاں آئے، تو مقامی لوگوں کی تعداد فقط چند ہزار تھی۔ یہاں کی بڑی آبادی کو کیا ہوا تھا؟ اس سب محنت کے لئے بہت سے سپیشلائزڈ ہنرمند اور مزدور درکار تھے۔ ان کو کھلانے کے لئے آبادی درکار تھی۔ روگیوین نے یہاں پر کیڑوں کے علاوہ کوئی بھی جانور نہیں دیکھا اور پالتو جانوروں میں صرف مرغی تھی۔
جزیرے کا مشرقی حصہ پتھروں کو تراشنے کے لئے بہترین تھا۔ شمال مغرب مچھلیاں پکڑنے کے لئے جبکہ جنوب کھیتی باڑی کے لئے۔ اس سب کو یکجا کرنے کے لئے جزیرے کی اکانومی کا ہونا ضروری تھا۔ یہ بنجر جزیرے پر نہیں ہو سکتا تھا اور یہ سب پھر کہاں گیا؟

یہ وہ اسرار ہیں جن پر صدیوں سے کتابیں لکھی جاتی رہیں۔ وہ لوگ جو نسلی برتری کے احساس میں تھے، وہ پولینیشن آبادی کو کریڈٹ دینے میں ہچکچاتے تھے۔ ناروے سے تھور ہیئرڈاہل کا کہنا تھا کہ یہ ٹیکنالوجی جنوبی امریکہ والے اپنے ساتھ لے کر آئے تھے، جنہوں نے یورپ اور ایشیا سے رابطے کے بعد اس کو حاصل کیا تھا۔ اس کا تعلق اہرامِ مصر سے جوڑنے کی کوشش کی گئی۔ انکا تہذیب کے پتھروں کی تعمیرات سے کی گئی۔ اس کو ثابت کرنے کے لئے چلی سے چھوٹی کشتیوں پر سفر کون ٹکی مہم کہلائی۔ سوئٹزرلینڈ کے ایرک وہن ڈانیکن نے دعویٰ کیا کہ یہ خلائی مخلوق کا کام ہے جس کے پاس الٹراماڈرن ٹول تھے۔ وہ اس جزیرے پر آ کر پھنس گئے تھے۔ اپنے واپس جانے سے پہلے انہوں نے یہ کام کیا۔

ان مفروضاتی قصوں کہانیوں کی ضرورت نہیں تھی۔ یہاں پر اوزار تک بکھرے ہوئے تھے اور یہاں پر تو رہنے والے لوگ بھی اسے جانتے تھے۔ یہ خلا یا جنوبی امریکہ سے آنے والے نہیں، پولیشین تھے۔ لیکن یہ اصل تاریخ اتنی ہی رومانٹک اور دلچسپ ہے جتنی کسی اڑن طشتری کی دیومالائی داستان۔
ایسٹر آئی لینڈ کی کہانی صرف دور کی دنیا کی نہیں، آج کی دنیا کی بھی کہانی ہے۔ انسان اور زمین کے رشتے کی، تہذیبوں کے بننے کی اور گر جانے کی، انسانی ہمت، طاقت اور کمزوری کی کہانی ہے۔

ایسٹر آئی لینڈ کی تاریخ، انسان کی داستان ہے۔

جزیرہ ۔

ایسٹر آئی لینڈ ایک مثلث کی شکل میں قریب قریب واقع تین آتش فشاں پر مشتمل ہے جو سمندر سے باہر نکلتے ہیں۔ جب سے انسان یہاں آباد ہوئے، یہ خاموش ہیں۔ سب سے پرانے آتش فشاں پوئیکے سے آخری بار آتش فشانی عمل چھ لاکھ سال قبل ہوا تھا جبکہ نئے آتش فشاں رانو کو میں ہونے والی ٹیریکاوا اراپشن دو لاکھ سال پہلے کا واقعہ ہے۔ اس سے نکلنے والے لاوا یہاں کے پچانوے فیصد رقبہ کور کرتا ہے۔ چھیاسٹھ مربع میل کے جزیرے کی سطح پولینیشیا کے دوسرے جزائر کے مقابلے میں ہموار ہے۔ پیدل پورے جزیرے میں جایا جا سکتا ہے۔ آتش فشانی مٹی کی وجہ سے زمین زرخیز ہے۔ موسم دوسرے جزائر کے مقابلے میں کم گرم ہے اور خوشگوار ہے۔ یہ کبھی جنت نظیر ہو گا۔ باقی دنیا کے مسائل سے لاتعلق۔ لیکن یہاں پر پولینیشیا آنے والوں کو کچھ منفرد مسائل کا سامنا رہا ہو گا۔

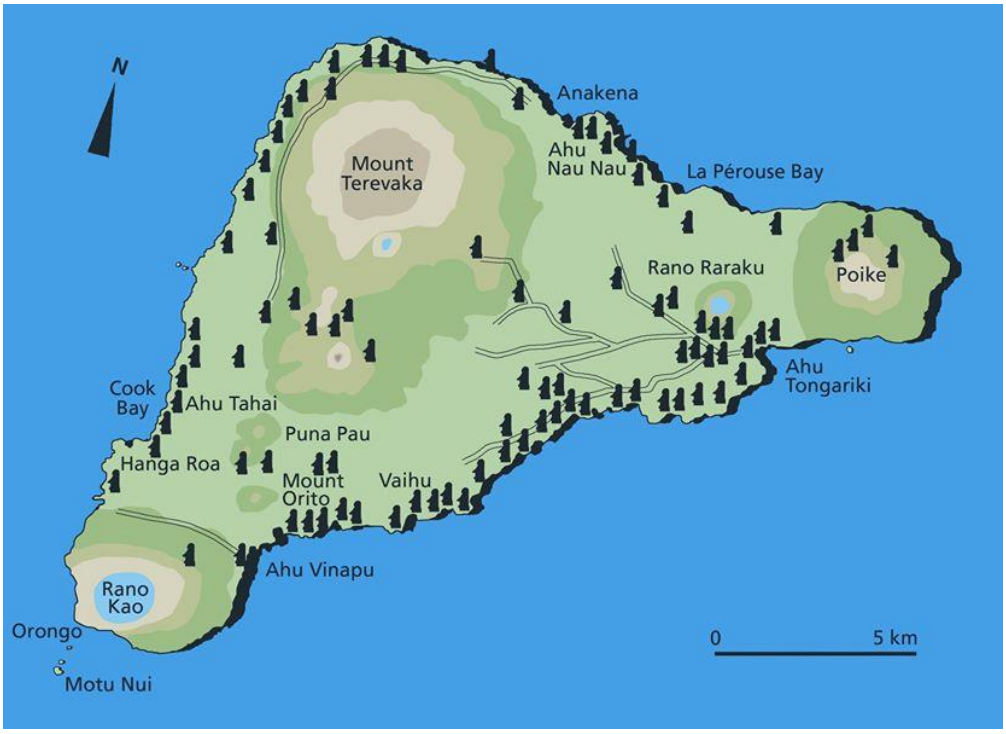

پولینیشیا سے آنے والی کئی فصلیں، جیسا کہ ناریل یہاں نہیں اگ سکے ہوں گے۔ سمندر سرد ہونے کی وجہ سے کورل ریف نہیں جس کی وجہ سے اس کے ساحلوں پر مچھلیاں کم ہیں۔ تیز ہوا چلنے کی وجہ سے پکنے سے پہلے دانے گرنے کی وجہ سے زرعی پیداوار میں کمی ہوتی ہے۔ سالانہ بارش 1300 ملی میٹر ہے جو باقی دنیا کی اوسط سے تو کم نہیں لیکن پولینیشیا کے دوسرے جزائر سے کم ہے۔ یہ آتش فشانی مٹی میں جذب ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے پانی کے ذرائع محدود ہیں۔ ایک ندی، کچھ تالاب۔ کنویں کھود کر اور کچھ چشموں سے پینے، پکانے اور زراعت کے لئے پانی حاصل تو کر لیا گیا لیکن یہ محنت طلب کام تھا۔

مچھلی پکڑنے کے کانٹے، پتھر کی کلہاڑیاں، ہارپون اور دوسرے اوزار پولینیشیا سے تعلق کو ظاہر کرتے ہیں۔ زبان پولیشین ہے اور بارہ دفن شدہ ڈھانچوں سے حاصل شدہ ڈی این اے کا تجزیہ بتاتا ہے کہ نو بیس پئیر کی

ڈیلیشن اور تین میں ایک خاص فرق وہی ہے جو پولیشین لوگوں کی صاف نشانی ہے۔ کیلا، اروی، گنا، شکرقندی اور شہتوت کی کاشت کی جاتی رہی اور واحد پالتو جانور مرغی رہا۔ یہ بھی پولینیشین کلچر کی غمازی تھی۔ پولینیشیا کے جزائر میں انسانوں کا پھیلاوٗ ڈرامائی طور پر 1200 قبلِ مسیح کے بعد ہوا۔ سمندری سفر کرنے والے اور زراعت کرنے والے لوگ بحرالکاہل کے جزیروں میں پھیلنے لگے۔ نیو گنی سے نکل کر فیجی، ساموا، ٹونگا تک آئے۔ ان کے پاس قطب نما یا دھات کے اوزار یا لکھائی نہیں تھی لیکن یہ ماہر ملاح تھے جو سمت شناسی اور کشتی رانی کا فن جانتے تھے۔ برتن، اوزار، گھروں اور عبادت گاہوں کی باقیات، خوراک کا کچرا اور انسانی ڈھانچے اس پورے سفر کا راستہ اور وقت بتا دیتے ہیں۔ سن 1200 تک اس وسیع و عریض سمندر میں تمام قابلِ رہائش جزائر آباد کر لئے گئے تھے جس میں نیوزی لینڈ، ہوائی اور ایسٹر آئی لینڈ شامل تھے۔

ایک وقت میں مورخین کا اندازہ تھا کہ یہ دریافتیں حادثاتی تھیں۔ مچھیروں کی کشتیاں راہ بھٹک کر پہنچ گئی لیکن اب یہ واضح ہے کہ دریافتیں اور پھر آبادکاری بڑی تفصیلی پلاننگ کے ساتھ ہوئیں۔ اس رخ پر سفر کئے گئے جو سمندری کرنٹ نہیں۔ ہوا کا سفر کے لئے موافق ہونے کا انتظار کیا گیا۔ فصلیں اور جانور ساتھ لے جائے گئے۔ نئی کالونی میں جا کر آباد ہونے کا سازوسامان رکھا گیا۔

پولینیشین کشتیوں (ہوکولیا) پر 1999 میں منگاریوا جزیرہ سے ایسٹر آئی لینڈ کا سفر سترہ روز میں کیا گیا۔ ہمارے لئے یہ تصور مشکل ہے کہ نو میل چوڑے کو سوائے اتفاقی حادثے کے، اور کیسے دریافت کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم خشکی کے باسی ہیں۔ سمندری پرندوں کی اڑان خشکی کا پتہ سو میل دور سے دے دیتی ہے۔ ان سمندری مہم جووٗں کے لئے دریافت کا قطر دو سو میل تھا۔

ایسٹر آئی لینڈ سن 900 میں آباد ہوا۔ یہ تاریخ چلائی جانے والی لکڑی کے اور کھائی جانے والی ڈولفن کی ہڈیوں کے تجزیے سے نکالی گئی ہیں۔ اناکینا کے ساحل پر آرکیولوجیکل تہہ اس کا بتاتی ہے۔ ہڈیوں سے تاریخ ڈھونڈنے کا یہ کام ایکسلیریٹر ماس سپیکٹروسکوپی سے کیا گیا۔ سب سے پہلے یہاں کے مقامی پرندے کھائے گئے۔ یہ جلد ہی ختم ہو گئے۔ ڈولفن کو شکار کرنے کے لئے کشتیاں بھی جلد ختم ہو گئیں۔ یہ آثار آرکیولوجیکل تہوں سے ملتے ہیں۔

جب یورپی یہاں پہنچے تو لوگ زراعت پر گزارا کرتے تھے۔ سمندری پرندے، خشکی کے پرندے اور ڈولفن ابتدائی رہائشیوں کو میسر تھیں لیکن یہ بعد میں ختم ہو گئی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ان کی غذا میں کاربوہائیڈریٹ زیادہ تھا۔ صاف پانی کے ذرائع محدود ہونے کی وجہ سے گنے کے رس کا استعمال صورتحال مزید خراب کرتا تھا۔ دانتوں کی بیماریاں ان کو کسی بھی دوسری تہذیب کے مقابلے میں سب سے زیادہ تھیں۔ چودہ سال کی عمر میں کیڑا لگے دانت ملے ہیں جبکہ بیس سے تیس سال کی عمر میں ہر ایک کے دانتوں کو کیڑا لگ چکا ہوتا تھا۔

یہاں کی آبادی نکالنے کے لئے گھروں کی بنیادیں گن کر تخمینہ لگایا گیا ہے۔ یہ اپنے عروج کے وقت پندرہ سے تیس ہزار کے درمیان تھی۔ زراعت کے لئے ندی پر پتھروں سے باندھے گئے بند، کھاد بنانے کے لئے گڑھے اور 1323

مرغی خانے یہاں کے لوگوں کا طرزِ زندگی بتاتے ہیں۔ بڑے پتھر رکھ کر تیز ہوا سے فصلوں کو محفوظ رکھا جاتا تھا۔ پتھریلے باغات کی زراعت کا منفرد طریقہ یہاں کے موسم کی وجہ سے تھا۔

پولینیشیا کے باقی جزائر کی طرح یہاں کا روایتی معاشرہ بھی چیف اور عوام میں تقسیم تھا۔ یہ فرق گھروں کی تعمیر دیکھ کر واضح ہے۔ یہاں کی زمین گیارہ یا بارہ علاقوں میں بٹی ہوئی تھی۔ ہر علاقہ ایک قبیلے کا تھا۔ یہ بانٹ اس طریقے سے ہوئے تھی جیسا کسی پیزا کے ٹکڑے کئے جاتے ہیں۔ ہر علاقے کا اپنا چیف تھا۔ اپنا بڑا پلیٹ فارم تھا اور اپنے مجسمے تھے۔ پلیٹ فارم اور مجسمے بنانا قبائل کے درمیان ہونے والی پرامن مقابلہ بازی تھی۔ کبھی یہ زبردست لڑائی کا رخ بھی لے لیتی تھی۔ لیکن مذہبی، معاشرتی اور سیاسی اتحاد بڑی حد تک رہا تھا۔ یہ مقامی لوگوں کی زبانی روایات سے بھی پتا لگتا ہے اور آرکیولوجیکل شواہد بھی اس کو سپورٹ کرتے ہیں۔ پتھروں کا میٹیریل کسی کے علاقے میں تھا۔ پلیٹ فارم کا کسی اور میں، مچھلیاں پکڑنے کے لئے ساحل شمال میں تھا۔ اور یہی جگہ زراعت کے لئے اچھی نہیں تھی۔ لکڑی، کورل، سرخ گیرو، شہتوت کی چھال (جس سے لباس بنایا جاتا تھا) بھی مختلف علاقوں میں یکساں نہیں تھے۔
آج ہم اس چیز کو عام سمجھ لیتے ہیں کہ مختلف علاقوں سے گزرتے راستے پر سفر معمولی چیز ہے۔ لیکن تاریخ میں ایسا نہیں رہا۔ اجازت کے لئے صلح صفائی، معاملہ کرنا اور ایک علاقے کے وسائل کو دوسرے کا استعمال کرنا پیچیدہ معاشرت مانگتا ہے جو قدیم معاشروں میں کم ہی نظر آتی ہے۔

یہ اس جزیرے کا پس منظر تھا جس کے رہائشیوں نے حیران کن تعمیرات اپنے زورِ بازو سے کیں۔

موائی

ایسٹر آئی لینڈ پر پتھروں کے عجوبے دو طرح کے ہیں۔ موائی، جو مجسمے ہیں اور آہو، جو پلیٹ فارم ہیں۔ تین سو کے قریب آہو کی شناخت ہو چکی ہے۔ کئی چھوٹے ہیں اور خالی ہیں۔ 113 ایسے ہیں جن پر مجسمے رکھے گئے تھے اور 25 بڑے سائز کے ہیں۔ جزیرے کے بارہ علاقوں میں سے ہر ایک میں ایک سے پانچ ایسے بڑے آہو ہیں۔ زیادہ تر ساحل کے پاس۔ ان میں مجسموں کو ایسے رکھا جاتا ہے کہ وہ سمندر کی طرف نہیں دیکھتے بلکہ جزیرے کی طرف منہ کئے ہوئے ہیں۔

آہو مستطیل شکل کا ہے جس میں پتھروں کو بھرا جاتا ہے۔ دس ٹن وزنی سلیں بھی ہیں اور تیرہ فٹ کی اونچائی تک کے ہیں۔ پانچ سو فٹ چوڑے بھی ہیں۔ ان کا کل وزن چھوٹے آہو کے لئے 300 ٹن جبکہ سب سے بڑے آہو ٹونگاریکی کے لئے 9,000 ٹن کا ہے۔ سمندر کی طرف والا حصہ عمودی جبکہ جزیزے کی طرف کا ڈھلوان بناتا ہے۔ آہو کے پچھلی طرف جلائے جانے والے ہزاروں مردہ لوگوں کی باقیات ہیں۔ (پولینیشیا کے جزائر میں ایسٹر آئی لینڈ اس حوالے سے منفرد ہے۔ باقی ہر جزیرے پر مردوں کو دفن کیا جاتا تھا)۔
آج آہو ڈارک گرے رنگ کے ہو چکے ہیں لیکن اپنے وقت میں یہ رنگدار سفید، زرد اور سرخ تھے۔ موائی کا زرد پتھر، سرخ تاج اور سفید مرجان کے سلیں۔
اوسط مجسمہ تیرہ فٹ اونچا اور دس ٹن وزنی تھا۔ سب سے اونچا مجسمہ پارو 32 فٹ اونچا اور 75 ٹن وزنی تھا۔ سب سے بھاری کا وزن 87 ٹن تھا۔ رانو راراکو کی کان میں اس سے بڑے نامکمل مجسمے بھی تھے۔ ان مین سے ایک 70 فٹ قد کا اور 270 ٹن وزنی تھا۔ ہم ایسٹر آئی لینڈ میں رہنے والوں کی ٹیکنالوجی کا جانتے ہیں اور پہلی نظر میں ناممکن لگتا ہے کہ انہوں نے یہ سب کیسے کیا ہو گا۔

خلائی مخلوق کے شوقین ایریک وون ڈینیکن اور دوسرے، ان مجسموں اور پلیٹ فارم کو منفرد سمجھتے تھے جن کی وضاحت کے لئے غیرانسانی مخلوق کا سہارا لینا پڑے۔ پولینیشیا کی ثقافت میں دوسرے جزائر میں بھی پتھر کے بڑے مجسمے ملتے ہیں، اگرچہ اس سائز کے نہیں لیکن مارکیساس، آسٹریلس، پٹکئیرن جزیرہ پر آتش فشانی پتھر کے اونچے سٹرکچر پائے جاتے ہیں۔مانگاریوا اور ٹونگا میں پتھروں کے عظیم ستون ہیں۔ ٹونگا کے ٹریلیتھون میں ستون چالیس ٹن وزنی ہیں۔ ایسٹر آئی لینڈ کا آرکیٹکچر انہی روایات کا تسلسل تھا۔
پتھر کی عمر نکالنے کے لئے براہِ راست کاربن ڈیٹنگ نہیں کی جا سکتی۔ آہو کی عمر نکالنے کا طریقہ بالواسطہ ہے اور obsidian-hydration dating کہلاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پرانے مجسمے چھوٹے سائز کے تھے اور وقت کے ساتھ ان کا قد بڑھتا گیا۔ بڑے آہو کئی بار تعمیرِ نو کے عمل سے گزرے۔ سن 1000 سے 1600 کے درمیان آہو بنائے جانے کا دور رہا۔ وارن بیک اور ساتھیوں نے بڑی ہوشیاری سے مجسموں کی تاریخ معلوم کی ہے جو فائلز پر اور مجسمے کی آنکھوں پر لگے مرجان میں سے ہے اور سجاوٹی نوڈیول میں الجی کی کاربن ڈیٹنگ سے ہے۔ اس سے تعمیر کے تین ادوار کا علم ہوتا ہے۔ پرانے آہو بغیر مجسمے کے تھے۔ پھر مجسمے بننا شروع ہوئے۔ شروع کے مجسمے بعد والوں کی نسبت چھوٹے، گول اور انسان کی شکل کے زیادہ قریب تھے۔ شروع کے مجسمے کئی جگہ کے پتھروں سے تھے۔ بعد والے رانو راراکو کے پتھروں سے۔ اس کی سادہ سے وجہ یہ تھی کہ یہ پتھر مجسمہ سازی کے لئے بہترین تھا۔

وقت کے ساتھ مجسمے بڑے ہوتے گئے، سٹائل مستطیل ہوتا گیا۔ سب سے بڑا مجسمہ پارو سب سے آخر میں بننے والا مجسمہ تھا۔
وقت کے ساتھ اس طرح سے ان کا بڑا ہوتے جانا حریف قبائل میں مقابلے کی اور سٹیٹس کی دوڑ لگتا ہے۔ یہ نتیجہ ایک اور طریقے سے بھی نکلتا ہے۔ بعد میں اس پر آنے والا ایک اور فیچر پکاوٗ تھا۔ سرخ سلنڈر جو مجسمے کے سر پر ٹوپی کی طرح رکھا جاتا تھا۔ پارو کا پکاوٗ بارہ ٹن وزنی تھا۔ بغیر کرینوں کے بارہ ٹن وزنی ٹوپی بتیس فٹ اونچے مجسمے کو کیسے پہنائی گئی؟ ایرک وون ڈینیکن جیسے لوگ یہاں خلائی مخلوق کا جواب پسند کرتے ہیں لیکن جواب اس سے سادہ ہے۔ حالیہ تجربات سے پتا لگتا ہے کہ پکاوٗ اور مجسمے کو اکٹھا ہی رکھا گیا تھا (یعنی ٹوپی بعد میں نہیں پہنائی گئی)۔ پکاوٗ کے لئے پتھر ایک اور کان سے لیا جاتا جو پونا پو تھی۔ یہاں پر نامکمل پکاوٗ بھی ملے ہیں اور وہ بھی جو مکمل ہو کر اپنے لے جانے جانے کے منتظر تھے۔

"تم لوگ تیس فٹ اونچا مجسمہ بنا سکتے ہو؟ لو ہم نے بتیس فٹ اونچے مجسمے کو بارہ ٹن پکاوٗ سمیت کھڑا کر دیا"۔ دولت، طاقت اور کامیابی میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی دوڑ ہماری سرشت کا حصہ رہا ہے۔

یہ دوڑ یہاں اس جزیرے پر کیوں؟ اس کی کم از کم چار وجوہات ہیں۔ پہلی تو یہ کہ رانو راراکو کا پتھر مجسمہ سازی کے لئے آئیڈیل ہے۔ جیسا کہ پکار رہا ہو کہ اسے تراشا جائے۔ دوسرا یہ کہ بحرالکاہل کے دوسرے جزائر میں معاشرے ایک دوسرے سے چند روز کی مسافت پر تھے۔ انہوں نے اپنی توانائی، ذرائع اور محنت کو تجارت، مہم جوئی، جنگ، ہجرت اور کالونائزیشن کرنے پر لگایا۔ اس تنہائی والے جزیرے میں یہ سب کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ دوسرے جزائر میں مقابلہ بازی الگ جزیروں کے چیف کی آپس میں تھی۔ یہاں پر جو کھیلنا تھا، اسی جزیرے میں ہی۔ تیسرا یہ کہ اس جزیرے کی ہموار سطح آپس میں وسائل کے تبادلے اور ٹرانسپورٹ کے لئے اچھی تھی۔ اگر یہاں سیاسی طور پر تقسیم رہتی تو ایک علاقے کے پاس پتھر ہوتا، باقی کے پاس نہیں یا راہداری نہ دی جاتی۔ کسی حد تک ہو جانے والی سیاسی یکجائی سے مقابلے کے پراجیکٹ ذرائع اور وسائل کے تبادلے اور تجارت سے کئے جا سکتے تھے۔ چوتھا یہ کہ یہاں زراعت سے اتنی وافر خوراک میسر تھی کہ اس طرح کی سرگرمیوں پر لگائی جا سکتی تھی۔ اس پر کام کرنے والوں کو کھلایا پلایا جا سکتا تھا۔

اس جزیرے کے باسیوں نے یہ شاندار تعمیرات کیسے کیں؟ ظاہر ہے کہ یہاں پر کوئی ویڈیو تو نہیں بنائی گئی تھی۔ یہاں کے لوگوں کی زبانی بتائی گئی روایات کہ یہ کام کیسے کیا جاتا تھا۔ مجسمے جو تیاری کے مختلف مراحل میں تھے، ان کو دیکھ کر اور پھر ٹرانسپورٹ کے طریقوں ہر پچھلے کچھ برسوں میں تجربے کر کے اس کو معلوم کیا گیا۔

تعمیر

پتھر کی سل میں سے پہلے چہرہ، پھر سر، ناک اور کان تراشے جاتے تھے۔ پھر بازو اور ہاتھ اور پھر دھڑ۔ اس کے بعد اس کو جدا کر لیا جاتا تھا۔ آنکھیں بنانے کا کام آہو پر لے جانے کے بعد کیا جاتا تھا۔ 1979 میں ایک آہو کے نزدیک آنکھ کی پوری پتلی الگ سے بنائی گئی ملی۔ اس کے علاوہ کئی جگہوں سے آنکھ کے حصے۔ جب ان آنکھوں کو مجسمے میں فٹ کر دیا جاتا تھا تو انکی نگاہ کو دیکھنا ایک عجب تجربہ ہوتا ہو گا۔ شاید ان کی تنصیب مجسمے پر کیا جانے والا آخری کام تھا۔

جن راستوں پر انہیں لے جایا جاتا تھا، اس کے نشان باقی ہیں۔ نو میل کے فاصلے پر لے جائے جانا سب سے طویل سفر تھا۔ یہ انتہائی مشکل کام ہو گا جیسے اہرامِ مصر، ٹیوٹی ہواکان، انکا اور اولمک کے مراکز میں بھی ہمیں اس طرح کی مشقت کئے جانا ملتا ہے۔ اس کو لے جانے کا طریقہ غالباً وہی رہا جو ہمیں نیو گنی میں نظر آتا ہے۔ درخت کاٹ کر اس کا تنا کھوکھلا کر کے بنائے جانے والی کشتیوں کی سیڑھیاں، جس پر ان کو لے جایا جاتا ہو گا۔ جو این نے اس طریقے کا ٹیسٹ کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ پچاس سے ستر لوگ اگر روزانہ پانچ گھنٹے کام کریں اور ہر بار کھینچنے پر پانچ گز حرکت دے سکیں تو بارہ ٹن وزنی مجسمے کو ایک ہفتے میں نو میل دور لے جایا جا سکتا ہے۔ اہم چیز یہ ہے کہ کھینچتے وقت ایک تال میل برقرار رہے۔ ویسے جیسے کشتی کے چپو چلانے والوں میں ہوتا ہے۔ اگر اسے بڑھایا جائے تو پارو جیسے مجسمے کو پانچ سو لوگوں کی ٹیم مل کر کھینچ سکتی ہے۔ ایک قبیلے کی آبادی اگر دو ہزار ہو تو یہ کام کیا جا سکتا ہے۔

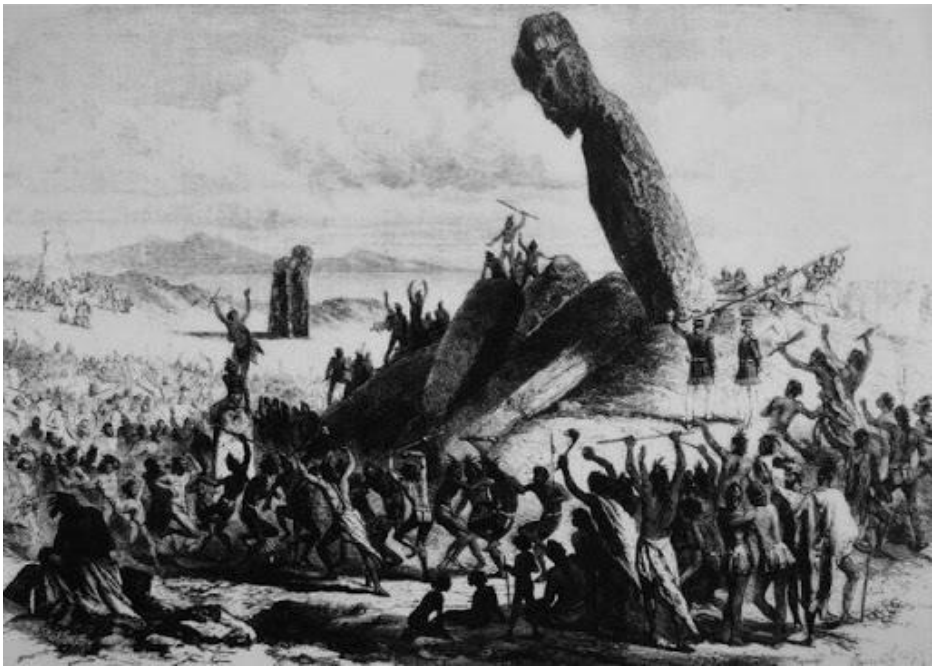

ایک آہو پر ایک مجسمہ کیسے نصب ہوتا ہے؟ یہاں پر کرین سے کرنا مشکل تھا لیکن یہاں رہنے والوں نے آرکیولوجسٹس کو یہ کرین کے بغیر کر کے دکھا دیا۔ اس کے لئے ایک ہلکی ڈھلوان بنانا تھی، جو آہو کے سامنے ہو۔ مجسمے کے نچلے حصے کی طرف سے اس کو کھینچنا تھا۔ ایک بار یہ حصہ پلیٹ فارم تک پہنچ جائے تو اس کا سر تنے کے لیور کی مدد سے ایک سے دو انچ بلند کرنا تھا اور نیچے پتھر رکھ دینے تھے جس پر یہ آرام کرتا۔ اس کے بعد پھر مزید

کچھ انچ اور یوں کرتے کرتے اس کے نیچے پتھر بلند ہوتے جاتا اور یہ سیدھا کھڑا ہونے لگتا۔ آخر میں پتھر نکال لئے جاتے اور ان کو آہو کو بڑھانے میں استعمال کر لیا جاتا۔
آخری حصہ، جس میں اس کو سیدھا کھڑا کرنا تھا، سب سے خطرناک تھا۔ اس میں خطرہ تھا کہ اپنے مومینٹم میں یہ دوسری طرف نہ جا گرے۔ اس خطرے کو کم کرنے کے لئے ڈیزائنر اس کو 90 درجے کے بجائے 87 درجے کے زاویے پر رکھتے تھے اور یوں، یہ معمولی سے آگے کی طرف جھکے ہوتے۔ لیکن حادثات ہوتے رہے۔ آہو بانگا ٹی ٹانگا، جو سب سے اونچا مجسمہ ہوتا، نصب کرنے کے دوران گر کر ٹوٹ گیا۔

یہ سب جزیرے کے لئے بہت مہنگا رہا ہو گا۔ ایک مہینے تک بیس مجسمہ ساز کام کرتے ہوں گے۔ ان کو خوراک کھلانا۔ پچاس سے پانچ سو افراد کا ٹرانسپورٹ کا عملہ اور اتنا ہی عملہ جو اس کی تنصیب کرے۔ اس سخت مشقت والے کام میں خوراک کی ضروریات بھی زیادہ ہوں گی۔ اس دوران آہو پر کھانے کی ضیافت ہوا کرتی ہو گی۔ شاید پورا قبیلہ مجسمے کی تنصیب مکمل کرنے پر اکٹھا ہوتا ہو۔ آہو بنانے کے لئے اس سے بیس گنا بھاری پتھر لانے پڑتے تھے۔ یہ سب انسانی جسم کی طاقت تھی۔ کوئی باربردار جانور نہیں تھا۔ اس پر اندازہ لگایا گیا ہے کہ ان کی تعمیر کے عروج کے تین سو سالوں میں جزیرے کی خوراک کا پچیس فیصد اس تعمیر پر استعمال ہوتا ہو۔ یہ وہ برس تھے جب اس جزیرے پر زراعت کا بھی عروج تھا اور اضافی خوراک دستیاب تھی۔
نہ صرف خوراک بلکہ اس کے لئے بہت سے موٹی اور لمبی رسیوں کی ضرورت تھی جو پولینیشیا میں ریشہ دار درختوں کی چھال سے بنائی جاتی تھی۔ ان رسیوں کی مدد سے پچاس سے پانچ سو کی ٹیم ان بھاری مجسموں کو کھینچتی تھی۔ بہت سے مضبوط درختوں کی ضرورت تھی جو لیور، سیڑھی اور کھینچنی والی سلیڈ کے طور پر استعمال ہوتے تھے۔
جب یورپی یہاں پر پہنچے تو یہاں پر بہت کم درخت تھے اور دس فٹ سے بلند کوئی بھی نہ تھا۔ بحرالکاہل کے جزائر میں اتنا خالی جزیرہ کوئی اور نہیں تھا۔ رسیاں اور لکڑی کہاں سے آتی ہو گی؟
ایسٹر آئی لینڈ پر ہونے والا نباتاتی سروے بتاتا ہے کہ یہاں پر صرف 48 مقامی انواع ہیں۔ ان میں سب سے اونچے قد کا ٹورومیرو ہے جو اوسطاً سات فٹ بلند ہوتا ہے اور بمشکل درخت کہلایا جا سکتا ہے۔ باقی جھاڑیاں، گھاس وغیرہ ہیں۔

ایسٹر آئی لینڈ آج ایسا ہے لیکن اس کی تاریخ کا کیسے معلوم کیا جائے کہ یہاں کیا ہوا کرتا تھا؟ اس کے سائنس میں کئی طریقے ہیں۔ ان کی مدد سے ایسٹر آئی لینڈ کی تاریخ ہمارے سامنے آتی گئی۔ کسی وقت میں ایسٹر آئی لینڈ ایک بالکل ہی مختلف جزیرہ تھا۔ ایک بلندوبالا درختوں کا ٹراپیکل جنگل ہوا کرتا تھا۔ یہ سب کچھ کہاں گیا؟ یہ تبدیلی کیسے آئی؟ ایسٹر آئی لینڈ کی بڑی کہانی یہ مجسمے نہیں، یہ تبدیلی ہے۔

جزیرے کا ماضی

آج ہمیں ایسٹر آئی لینڈ درختوں سے خالی اور حیران کن تعمیرات سے بھرا نظر آتا ہے۔ یہ کیسا ہوا کرتا تھا۔ اس کی کہانی کیا ہے۔ جزیرے کے ماضی کا کیسے معلوم کیا جائے؟ اس کے کئی طریقے ہیں۔ نباتات کی تاریخ جاننے کے لئے ایک طریقہ پولن کا تجزیہ (palynology) کا ہے۔ دلدل یا تالاب میں جمع تلچھٹ میں سوراخ کر کے اس کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔ اگر اس کو ہلایا نہیں گیا تو نیچے قدیم وقت کا ڈیپازٹ ہو گا اور بالائی تہوں میں وقت میں اس کی تبدیلی کا معلوم ہوتا جائے گا۔ ہر تہہ کی اپنی تاریخ کو ریڈیوکاربن ڈیٹنگ سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ یہ بہت ہی احتیاط اور بڑی محنت سے کیا جانے والا کام ہے۔ ایک کالم میں سے دسیوں ہزار زرِگل کے دانوں کو مائیکروسکوپ کے نیچے رکھ کر تجزیہ کرنا، گننا، پودے کی نوع کی شناخت کرنا۔ ایسٹر آئی لینڈ کو جاننے کے لئے یہ کام سویڈن کے پیلینولوجسٹ اولوف سیلنگ نے کیا۔ رانو راراکو اور رانو کو کے گڑھوں سے 1955 میں جمع کردہ سیمپل پر۔ نامعلوم پام کے درخت کے پولن وافر مقدار میں مل گئے۔ ایسا درخت اب یہاں پر نہیں ہے۔

اس کے بعد 1977 اور 1983 میں کئی جگہوں سے مٹی اکٹھی کی گئی اور اس بار ایک غار کے مہم جو کچھ میوے ڈھونڈنے میں بھی کامیاب ہو گئے۔ اس درخت کی شناخت ہو گئی۔ یہ چلی وائن پام تھا۔ یہ درخت 65 فٹ اونچا ہوتا ہے اور اس کا تنا تین فٹ قطر کا ہوتا ہے۔ اس کے بعد ہونے والے تجزیوں میں لاوا کے بہاوٗ میں اس درخت کی چند لاکھ سال پرانی باقیات بھی مل گئیں۔ اس کی جڑوں کے بنڈل مل گئے۔ ان سب سے پتا لگتا تھا کہ یہاں پر پام کے تنے کا قطر سات فٹ تک بھی تھا۔ یہ دنیا کا سب سے اونچا پام تھا۔ چلی کے باسی اس پام کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ ایسٹ آئی لینڈ والے بھی یقیناً ایسا کرتے ہوں گے۔ اس کے تنے سے میٹھا رس نکلتا ہے جس سے مشروب بنایا جاتا ہے۔ اس کو ابال کر شہد اور چینی جیسا مادہ۔ اس کا میوہ بہت ہی لذیذ خوراک ہے۔ اس کے پتوں سے گھروں کے چھت میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ٹوکریاں، چٹایاں اور کشتی کے بادبان بنتے ہیں۔ اس کے تنے سے موائی کی ٹرانسپورٹ کی جاتی ہو گی۔ کشتیاں بنائی جاتی ہوں گی۔

فلینلے اور سارا کنگ نے سیڈیمنٹ کور کے تجزیے میں درختوں کی پانچ مزید انواع دریافت کیں جو اب ناپید ہیں۔ حالیہ برسوں میں فرانسیسی آرکیولوجسٹ کیتھرین اورلیاک نے یہاں کے تندور اور کچرے کے ڈھیروں میں سے جلی لکڑی کے تیس ہزار ذرات چھان کر اکٹھے کئے ہیں۔ ان کا آج کے 2300 پودوں سے موازنہ کیا گیا جو بحرالکاہل کے جزائر پر ہیں۔ اس سے 16 مزید انواع کا معلوم ہو گیا۔ ویسے درخت جو مشرقی پولیشیا میں عام ملتے ہیں، وہ اس جزیرے پر بھی تھے۔ ایسٹر آئی لینڈ درختوں کی متنوع انواع کا جنگل ہوا کرتا تھا۔

غائب ہونے والے درختوں کی اکیس انواع یہاں رہنے والوں کے لئے اہمیت رکھتی ہوں گی۔ سو فٹ اونچے الفیٹونیا زیفوائیڈ اور پچاس فٹ اونچ ے الوکارپس راروٹنگنسس دوسرے جزائر میں کشتیاں بنانے کے لئے استعمال

ہوتے ہیں اور کشتی رانی کے لئے بہترین ہیں۔ رسی بنانے کے لئے ہوبو درخت کی چھال۔ شہتوت کی چھال جس سے لباس بنائے جا سکیں۔ سڈرکس اوڈراٹا جس کا لچکدار تنا ہارپون بنانے کے لئے بہگترین تھا۔ سزیگیم جس پر کھانے کے لئے سیب جیسا پھل اگتا تھا۔ تعمیر سے لے کر ایندھن تک مختلف طرح کی لکڑی۔ اس کے باقیات تجزیے میں ملتے ہیں۔

زووآرکیولوجسٹ ڈیوڈ سٹیڈمین نے اناکینا کے ساحل میں کچرے سے جمع شدہ 6433 ہڈیوں کا تجزیہ کیا۔ پرندے اور فقاریہ جانوروں کا یہ تجزیہ بہت ہی زیادہ محنت طلب تھا۔ روبن کو فاختہ سے اور چوہے سے جدا کرنا اور انواع کی ڈائری بنانا آسان نہیں تھا لیکن اس سب سے انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ جزیرہ صرف ایک نہیں، چھ مختلف اقسام کے پرندوں کا گھر تھا۔ دو مرغ کی طرح کے، دو طوطے اور ایک الو اور ایک بگلے کی طرح کا۔ سمندری پرندوں کی پچیس الگ انواع تھیں۔ یہ شاید پورے بحراکاہل میں سب سے زیادہ تھیں۔ کسی شکاری پرندے کا نہ ہونا اور تنہائی کی وجہ سے ان کے بڑھنے کے لئے بہترین جگہ تھی۔ جب تک کہ انسان نہیں پہنچے تھے۔ چند ہڈیاں اود بلاوٗ کی بھی ملیں۔

ان سے یہاں رہنے والوں کے طرزِ زندگی اور خوراک کا پتا لگتا ہے۔ سب سے زیادہ ہڈیاں ڈولفن کی تھیں۔ ان کا وزن ستر کلوگرام سے زیادہ ہوتا تھا۔ تمام پولینیشیا میں اتنی بڑی تعداد میں یہ ہڈیاں کہیں نہیں ملیں۔ ڈولفن گہرے پانی میں ہوتی ہے۔ اس کو دور جا کر پکڑنا پڑتا ہو گا۔ بڑے درخت گرا کر بڑے کشتیاں اور ہارپون کے بغیر یہ کام نہیں ہو سکتا تھا۔

مچھلیوں کی ہڈیاں بھی ملیں لیکن باقی جزائر کی نسبت ان کا تناسب کم تھا جس کی وجہ یہاں کے ساحل کی ساخت تھی۔ سمندری پرندوں اور زمینی پرندوں کی بہت سی ملیں۔ شاید پرندوں کا قورمہ بنا کر کھایا جاتا رہا ہو۔ اور چوہوں کا بھی جو یہاں بڑی تعداد میں تھے اور انسانوں کے ساتھ پہنچے تھے۔ یہ واحد پولینیشین جزیرہ ہے جہاں کی آرکیولوجیکل سائٹ میں چوہوں کی ہڈیاں مچھلیوں سے زیادہ تھیں۔ (اگر چوہے کھانے کے تصور سے گھن آتی ہے تو یاد رہے کہ جنگ کے دوران کے راشن کے وقت چوہے دنیا بھر میں کھائے جاتے رہے ہیں)۔

کبھی کبھار کی غذا کے لئے بڑے سمندری کچھوے اور اس جزیرے کی بڑی چھپکلیاں۔ غائب ہونے والے جنگلوں کی لکڑی پر پکائے گئے غائب ہو جانے والے جاندروں کی باقیات اس جزیرے کا ماضی آشکار کرتی ہیں۔

جب ہم غذا کو وقت کے حساب سے دیکھتے ہیں تو تاریخ مزید واضح ہوتی ہے۔ شروع میں غذا ڈولفن اور بڑی ٹیونا مچھلیوں پر مشتمل تھی جو بعد میں غذا سے غائب ہو گئیں۔ بڑی مچھلیوں کے جگہ قریبی مچھلیاں آ گئیں۔ خشکی کے پرندے خوراک سے ختم ہو گئے، جس کی وجہ یہ تھی کہ یہ پرندے ہی ختم ہو گئے۔ اس کی وجہ شکار کی زیادتی، جنگل کا ختم ہو جانا اور چوہے تھے۔ بحرالکاہل میں کسی بھی جزیرے پر ہونے والے یہ سب سے بڑی ٹریجڈی تھی۔ نیوزی لینڈ یا ہوائی میں کئی اقسام کے پرندے ختم ہوئے لیکن تمام نہیں۔ سوائے ایسٹر آئی لینڈ کے، کوئی بھی اور جزیرہ ایسا نہیں جہاں سے پرندوں کا مکمل صفایا ہو گیا ہو۔ سمندری پرندوں کی اقسام اب ایسٹر آئی لینڈ پر بریڈنگ نہیں کرتیں۔ یہاں سے کچھ دور چھوٹی پتھریلی چٹانوں پر ایسا کرتی ہیں۔ پائی جانے والی پندرہ اقسام مکمل طور پر ختم ہو چکی ہیں۔ مچھلیوں کا اور شیل فش کا سائز بھی وقت کے ساتھ کچرے کے ڈھیروں میں کم ہوتا گیا کیونکہ بڑی مچھلیاں پہلے کھا لی گئیں۔

بڑے درخت ختم ہونے کی کئی وجوہات تھیں۔ درختوں کو ایندھن کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ مُردوں کو جلایا جاتا تھا۔ انسانی ہڈیوں کی راکھ اس بارے میں بتاتی ہے۔ باغوں اور فصلوں کے لئے جنگل کو کاٹا گیا۔ شروع میں اونچے درختوں سے بڑی کشتیاں بنائی گئیں۔ ساتھ آنے والے چوہوں نے ان کے بیجوں پر تباہی مچائی۔ ملنے والے ہر میوے پر چوہوں کے دانتوں کے نشان ہیں جس کے بعد اس میں سے پودا نہیں نکل سکتا۔ انسانوں کی آمد یہاں پر 900 میں ہوئی۔ اس سے کچھ عرصہ بعد جنگل ختم ہونا شروع ہوا۔ 1722 میں جگ روگیوین یہاں پہنچے، اس وقت کچھ بھی نہیں بچا تھا۔ یہ کب ہوا؟ اس کے لئے پانچ الگ طرح کے شواہد ہماری راہنمائی کرتے ہیں۔ زیادہ تر پام کے میوے پندرہوں صدی سے پہلے کے ہیں (یہ کاربن ڈیٹنگ سے پتا لگتا ہے) جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ پام اس وقت تک نایاب یا ختم ہو چکا تھا۔ پوئکے میں اس جزیرے کی سب سے بنجر زمین ہے۔ یہاں شاید جنگل سب سے پہلے صاف ہوا ہو۔ یہاں پر درخت کی لکڑی کے کوئی آثار 1440 کے بعد کے نہیں۔ زراعت اس کے بعد بھی ہوتی رہی۔ تنور کا تجزیہ بتاتا ہے کہ جلانے کے لئے لکڑی کی جگہ گھاس اور بوٹیوں نے لے لی تھی۔ اشرافیہ کے گھر اس کے بعد بھی لکڑی سے بنتے رہے لیکن عام لوگوں کے لئے لکڑی موجود نہیں رہی تھی۔ پولن کی کور کا تجزیہ بتاتا ہے کہ پام، گلِ داؤدی کے درخت، ٹورومیرو اور کئی جھاڑیوں کی جگہ گھاس اور بوٹیاں لیتی گئیں۔ لکڑی اور رسی کے استعمال کا تجزیہ بھی ہمیں ایسے شواہد دیتا ہے کہ انسانی سرگرمیوں کا عروج 1400 میں آیا۔ یہ جنگل کاٹنے کا دور تھا اور 1600 تک صفایا ہو چکا تھا۔

خوشحالی سے آدم خوری تک ۔ تہذیب کا خاتمہ

ایسٹر آئی لینڈ کی تاریخ جنگلات اور ماحول کی تباہی کی بڑی مثال ہے۔ پورے جنگل کا نام و نشان مٹ گیا۔ درختوں کی انواع معدوم ہو گئیں۔ یہاں کے باسیوں پر اسکا نتیجہ خام مال کے ختم ہو جانے، جنگلی جانوروں کے ناپید ہو جانے کی وجہ سے خوراک کے خاتمے اور زرعی پیداور میں کمی کی صورت میں نکلا۔

لکڑی، چھال، رسی، کپڑے اور پر ختم ہو گئے۔ بڑے درخت ختم ہو جانے کی وجہ سے کشتیاں ختم ہوئیں اور ساتھ ہی مجسموں کی ٹرانسپورٹ۔ جب یورپی یہاں پہنچے تو ان کے پاس ایک سے دو اشخاص کے بیٹھنے کی چند کمزور کشتیاں باقی تھیں۔ سرد اور گیلی راتوں کے وقت جلانے کے لئے لکڑی بھی نہیں تھی۔ گنے، گھاس اور فصلوں کی باقیات کو جلا کر ایندھن کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ جو لکڑی والی جھاڑیاں بچی تھیں، ان تک رسائی کے لئے شدید مقابلہ آرائی تھی۔ گھر بنانے، جسم ڈھکنے اور اوزار بنانے کے لئے ان کی ضرورت تھی۔ مرنے کے بعد جلائے جانے کی بھی رسم ختم ہو گئی۔

کشتیاں ختم ہو جانے کے بعد بڑی مچھلیوں کی ہڈیاں اور مچھلی پکڑنے کے کانٹے بھی کچرے سے غائب ہوتے گئے۔ پام کے میوے، مالے سیب اور جنگلی پھل غذا سے نکل گئے۔ واحد جنگلی غذا چوہے رہ گئے۔ فصلوں کی پیداور کم ہو گئی۔ اس کی ایک وجہ بارش اور ہوا کی وجہ سے ہونے والا کٹاوٗ تھا۔ شروع میں فصل پام کے درخت کے سائے میں اگائی جاتی تھی جو اس کو ہوا اور بارش سے محفوظ رکھتا تھا۔ پام ختم ہو جانے کے بعد پوئکے میں کھیتوں سے مٹی کے کٹاوٗ اور بہاوٗ نے آہو اور عمارتوں کو بھی مٹی میں دفن کر دیا۔ مٹی کی غذائیت کم ہو گئی۔ جنگلی درختوں سے گلے سڑے پتوں، پھلوں اور شاخوں کی کھاد ختم ہو گئی۔

اس کا نتیجہ فاقہ زدگی، آبادی کے کریش اور آدم خوری شروع ہو جانے کی صورت میں نکلا۔ ایک چھوٹے مجسمے موائی کاوا کاوا پر کسی آرٹسٹ نے اس دور کی تصاویر کھودی ہیں۔ پسلیاں نکلی ہوئی، پچکے گال، فاقہ زدہ لوگ۔ کیپٹن کُک جب ان جزیرے کا باشندوں سے ملے تو ان کو "چھوٹے، کمزور اور اداس" کہا۔ ریائش گاہوں کی تعداد اپنے عروج کے مقابلے میں ایک چوتھائی رہ چکی تھی۔ کھنڈر ہوتے خالی پڑے گھر باقی رہ گئے تھے۔ کھانے کی آخری چیز انسان تھے۔ ایسٹر آئی لینڈ میں کچرے کے آخری ڈھیروں میں توڑی گئی انسانی

ہڈیاں ہیں جن کو مرنے والے کی ہڈی کا گودا چوسنے کے لئے توڑا گیا ہے۔ زبانی روایات میں آدم خوری کا تذکرہ نظر آتا ہے۔ یہاں کی گالیوں میں بھی ملتا ہے۔

سیاسی اور مذہبی قیادت کے اونچے مرتبے کا انحصار خوشحالی پر ہوتا ہے۔ یادگاریں بھی خوشحالی کی علامت ہوتی ہیں۔ لدے پھندے درخت، زرخیز زمین سے اگتی فصلیں اور اضافی خوراک سے بنائے گئے پراجیکٹ۔ یہ سلسلہ جب ختم ہونا شروع ہوا تو انقلاب آیا۔ عسکری قیادت، ماٹاٹوا، نے روایتی قیادت کا تختہ 1680 میں اُلٹا دیا۔ خانہ جنگی چھڑ گئی اور سیاسی اکائی ٹوٹ پھوٹ گئی۔ اس دور کی لڑائی کے نیزے آج بھی ایسٹر آئی لینڈ پر بکھرے نظر آتے ہیں۔ اشرافیہ، ہاری پائینگا، کے علاقوں میں عام لوگ رہنے لگے۔ غاروں میں رہائش شروع ہو گئی۔ ان کو کشادہ کر لیا گیا۔ داخلہ حفاظت کے لئے تنگ کر لیا گیا۔ یہاں پر خوراک کی باقیات، ہڈی سے بنی سوئیاں، لکڑی کے اوزار، کپڑا مرمت کرنے کے اوزاروں کا ملنا واضح کرتا ہے کہ غار چھپنے کے لئے نہیں، بلکہ رہائش کے لئے استعمال ہونے لگے تھے۔ منہدم ہونے والے معاشرے بھاری انسانی قیمت وصول کرتے ہیں۔ یہ رفتہ رفتہ نہیں ہوتا۔ انقلاب، خانہ جنگی اور قتل و غارت سے ہوتا ہے۔ ایسٹر آئی لینڈ بھی ایسی ہی ایک مثال ہے۔

روایتی نظریات اور راہنماؤں کو مسترد کر دیا گیا۔ ان کی طاقت ختم ہو گئی اور ساتھ ہی ان کے پراجیکٹ بھی۔ آخری آہو اور آخری موائی 1620 میں کھڑا کیا گیا۔ یہ معاشرے کے انہدام کا ابتدائی دور تھا۔ 1600 سے 1680 کے درمیان آبادی کم ہونے کے ساتھ ساتھ زرعی زمین ترک کی جاتی رہی۔ 1680 کے فوجی انقلاب کے بعد قبائل نے اپنے حریفوں کے موائی گرانا شروع کر دئے۔ ان کو آگے کی طرف دھکیل کر اوندھے منہ گرایا جاتا تا کہ سخت جگہ پر گریں اور ٹوٹنے کا امکان زیادہ ہو۔

ہر منہدم ہونے والے معاشرے کی طرح زوال عروج کے کچھ ہی عرصے بعد اور بہت تیزی سے آیا۔ روایات کے مطابق گرایا جانے والا آخری مجسمہ سب سے بڑا پارو تھا جس کو 1840 میں گرایا گیا۔ یہ ایک خاتون نے اپنے شوہر کی یاد میں تعمیر کروایا تھا۔ اس کو گرانے والا ان کا ایک حریف خاندان تھا۔

بہت سے آہو توڑے گئے۔ ملبے کا ڈھیر رہ گئے۔ آج بھی یہاں پر گاڑی چلاتے ہوئے ٹوٹے ہوئے یہ آہو اور مجسمے نظر آتے ہیں۔ جب اس کو دیکھ کر آپ یہ سوچتے ہیں کہ اس جزیرے کے باسیوں نے یہ خود کیا تھا۔ اپنے آباء کے صدیوں کے کام کو تہس نہس کیا تھا تو پھر اس جزیرے کی ٹریجڈی اور دُکھ کا ٹھیک طرح سے احساس ہوتا ہے۔

جیسے کمیونزم کے انہدام کے بعد رومانیہ یا روس کے شہریوں نے چاوٗشیسکو یا سٹالن کے مجسمے الٹائے گئے تھے۔ شاید ویسے ہی یہاں رہنے والوں نے اپنا غصہ ان پر اتارا ہو یا پھر نئے انقلابیوں، ماٹاٹوا، کے احکام کی پیروی کی گئی ہو۔

یہاں پر رہنے والوں کا طرزِ زندگی تباہ ہو گیا۔ بھوک سے معاشرہ تباہ ہو گیا۔ لوگ ختم ہو گئے۔ خانہ جنگی آبادی میں ایک دوسرے کو مار دیا گیا۔ ایک دوسرے کو کھانے لگے۔ لیکن انسان رہنے کا طریقہ بھی ڈھونڈ ہی لیتے ہیں۔ ہمیں مرغیوں کی تعداد میں اضافہ نظر آتا ہے۔ نئے نظریات نظر آتے ہیں۔ آرٹ ورک اب تصاویر کھودنے والا نظر آتا ہے۔ خواتین کی "دلچسپ" تصاویر سب سے زیادہ کھدی نظر آتی ہیں، لوگوں کے معمولات کی تصاویر اور پرندوں کی تصاویر نظر آتی ہیں۔ گرے ہوئے مجسمے اس نئے آرٹ کی جگہ بن گئے۔ ہر سال سرد پانی میں ایک میل کی تیراکی کا مقابلہ ہوا کرتا تھا۔ سالانہ چیمپئن کا اعزاز دیا جاتا تھا۔ یہ مقابلے 1867 تک ہوتے رہے۔ جب ایسٹر آئی لینڈ کی باقی ماندہ ثقافت کو باہر سے آنے والی دنیا نے ختم کر دیا۔

ایسٹر آئی لینڈ کے راپا نوئی معاشرے کی کہانی باہر کی دنیا سے رابطے نے ختم کر دی۔ کیپٹن کک کے 1774 کے مختصر پڑاوٗ کے بعد یہاں یورپی آتے رہے۔ 1805 میں یہاں کے لوگوں کو جبری مشقت کے لئے پکڑا گیا۔ سب سے بُرا سال 1862 کا رہا۔ اس جزیرے کی آبادی اپنے عروج کے وقت کی تیس ہزار سے کم ہو کر تین ہزار تک آ چکی تھی۔ اس برس پیرو سے آنے والے جہاز ان میں سے نصف کو غلام بنا کر لے گئے۔ ڈیڑھ ہزار لوگ نیلامی میں بک گئے۔ ان کو پیرو میں گوانو کی کانوں پر کام کرنے اور دوسری مشقتوں کے لئے لے جایا گیا۔ زیادہ تر اسی اسیری میں چل بسے۔ عالمی پریشر کے تحت پیرو نے درجن بھر بچ جانے والوں کو رہا کر کے واپس جزیرے پر بھیج دیا۔ یہ واپس پلٹنے والے اپنے ساتھ چیچک کی وبا لے آئے، جس نے باقی آبادی کو نشانہ بنا لیا۔ 1872 میں یہاں پر صرف 111 مقامی لوگ بچے۔

یورپی تاجر اپنے بھیڑیں لے آئے اور زمین کی ملکیت کا دعویٰ کر دیا۔ 1888 میں چلی کی حکومت نے اس جزیرے کو اپنے ملک کا حصہ بنا لیا۔ یہ جزیرہ عملی طور پر بھیڑوں کی چراہ گاہ بن گیا۔ چلی میں بننے والی سکاٹش کمپنی کو اس کا ٹھیکہ مل گیا۔ تمام مقامی لوگ ایک گاوٗں تک محدود رہ گئے اور کمپنی کے لئے کام کرتے۔ 1914 میں بغاوت کی۔ چلی کی فوج نے اس کو ختم کر دیا۔ بھیڑ بکریوں اور گھوڑوں نے باقی ماندہ نباتات کو بڑی حد تک ختم کر دیا۔ آخری ہوہو اور ٹورومیرو یہاں سے 1934 میں ختم ہوئے۔ 1966 میں مقامی لوگوں کو چلی کی شہریت مل گئی۔ آج چلی سے آنے والے اور مقامی لوگ برابر کی تعداد میں یہاں پر ہیں۔ ہر ہفتے کئی پروازیں سیاحوں کو لے کر آتی ہیں۔

جزیرے کا سبق ۔ ایسٹر آئی لینڈ

ایسٹر آئی لینڈ کی آٹھ صدیوں کی کہانی انسانوں کی کہانی ہے۔ ہمت اور مہم جوئی۔ تعاون سے کامیابی۔ حیران کن جدتیں۔ کامیابی اور مقابلہ بازی۔ سیاسی نظام۔ منظم معاشرت۔ انقلاب۔ کھیلیں اور تفریح۔ خوشی اور غم۔ خوشحالی اور فاقہ زدگی۔ جنگ و جدل۔ وہی کچھ جو انسان کرتے رہے ہیں۔ ایسٹر آئی لینڈ دنیا کی ان بہت ہی کم جگہوں میں سے ہے جہاں پر لکھائی شروع ہوئی۔ یہ ان کا منفرد رانگو رانگو رسم الخط ہے۔ یہاں پر رہنے والوں کو شاید علم بھی نہیں ہو گا کہ دنیا میں ان کے علاوہ بھی کوئی بستا ہے۔ سینکڑوں ٹن وزنی یادگاریں بنانا ان کے دنیا پر چھوڑے گئے نشان ہیں۔ یہاں تک کہ ماحولیاتی تباہی نے انہیں آن لیا۔ معاشرہ گرا دیا۔

کیتھرین اورلیاک سوال کرتی ہیں کہ "جب آپ کو پتا ہے کہ آپ کا انحصار جنگل پر ہے تو اس کو کیسے تباہ کر سکتے ہیں؟" یہ ایک بہت ہی اہم سوال ہے۔ جیرڈ ڈائمنڈ کہتے ہیں، "میں کئی بار سوچتا ہوں کہ وہ شخص جو جزیرے سے پام کا آخری درخت کاٹ رہا تھا، وہ کیا سوچ رہا تھا"۔ ویسا ہی جیسے آج کہا جاتا ہے؟ "ماحول نہیں، معیشت!"۔ "ٹیکنالوجی مسائل حل کر دے گی۔ لکڑی کا کوئی متبادل بھی مل جائے گا"۔ "ابھی ہمارے پاس ثبوت نہیں کہ جزیرے میں کہیں اور درخت نہیں۔ تھوڑی سے تحقیق سے شاید ہمیں مل جائیں۔ خواہ مخواہ ڈرایا نہ جائے"۔ "وسائل محدود نہیں، صرف تقسیم کا مسئلہ ہے"۔"کسی نہ کسی طرح اور آ ہی جائیں گے"۔ "سب قبیلے ایسا کر رہے ہیں، میرا کیوں پیچھے رہے؟"۔

ہر معاشرے کو ایسے سوال درپیش رہے ہیں اور تاریخ بتاتی ہے کہ ہم مشکل سوالات کا مقابلہ ان سے نظر چرا کر کرتے رہے ہیں۔ وہ جو ایسٹر آئی لینڈ پر بسنے والے کرتے رہے، وہ صرف اس وقت اور اس جگہ سے مخصوص نہیں۔ یہ انسانی طرزِ عمل ہے۔

جب ماحول کی حفاظت نہ کی جائے، وسائل کے استعمال میں دانشمندی نہ برتی جائے تو معاشرے الٹ جاتے ہیں۔ انقلاب اور احتجاج کام نہیں کرتے۔

ایسٹر آئی لینڈ اور آج کی دنیا میں کئی خوفناک متوازی باتیں ہیں۔ گلوبلائزیشن کی وجہ سے بین الاقوامی تجارت، جیٹ طیارے، انٹرنیٹ وغیرہ سے دنیا جڑ چکی ہے۔ زمین کے تمام ممالک وسائل کا استعمال کرتے ہیں اور ان کی تجارت کے ذریعے ان کو شئیر کیا جاتا ہے۔ بالکل ویسے ہی جیسے ایسٹر آئی لینڈ کے درجن قبائل آپس میں کرتے تھے۔ جس طرح ایسٹر آئی لینڈ بحر الکاہل کے بیچ اکیلا جزیرہ تھا، ویسے ہی زمین خلا میں تنہا

ہے۔ جب یہاں کے لوگ مسائل کا شکار ہوئے تو ان کے پاس بھاگنے کی جگہ نہیں تھی، کوئی مدد کو نہیں آیا اور نہ آ سکتا تھا۔ اس جزیرے کی آٹھ صدیوں کو انسانیت کے لئے ایک استعارے کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ سب سے بُرا منظرنامہ کیا ہو سکتا ہے۔ مستقبل کس طرف جانا ممکن ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ استعارہ مکمل نہیں۔ ہماری صورتحال ایسٹر آئی لینڈ پر بسنے والے سترہویں صدی کے لوگوں سے بڑی مختلف ہے۔ ان میں سے کچھ فرق خطرہ بڑھا دیتے ہیں۔ ایسٹر آئی لینڈ میں رہنے والوں چند ہزار لوگوں نے ماحول کی تباہی اپنے زورِ بازو اور پتھر کے اوزاروں سے کی۔ ہم اس سے کہیں زیادہ طاقتور مشینی اوزار رکھتے ہیں۔ لیکن بہت سے فرق ہمارے حق میں ہیں۔ ایسٹر آئی لینڈ کے پاس ماضی کے یا دنیا کے مختلف علاقوں پر تحقیق کرنے والے اور ان کی کہانیاں بتانے والے نہیں تھے۔ سب سے بڑا فرق آگاہی کا ہے۔ لیکن اس سے فائدہ اٹھانے کے لئے دو چیزیں ہیں جو کئے بغیر گزارا نہیں۔ پہلا یہ کہ علم حاصل کرنا اور دوسرا اس علم کو عمل میں تبدیل کرنا۔

ایسٹر آئی لینڈ کی کہانی صرف دُور کی دنیا کی پرانی کہانی نہیں، یہ کوئی مفروضاتی قصہ نہیں، یہ آج کی دنیا کی بھی کہانی ہے۔ انسان اور زمین کے رشتے کی، تہذیبوں کے بننے کی اور گر جانے کی، انسانی ہمت، طاقت اور کمزوری کی کہانی ہے۔

ایسٹر آئی لینڈ کی تاریخ، انسان کی داستان ہے۔